ڈاکٹر فہمیدہ تبسم
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، وفاقی جامعہ اردو، اسلام آباد
ڈاکٹر ارم صبا
پنجاب کالج برائے خواتین

اکیسویں صدی اردو نظم اور ڈرامائی عناصر (منتخب مطالعہ)

Dr. Fehmida Tabassum
Assistant Professor, Department of Urdu, Federal Urdu University, Islamabad.
Dr. Irum Saba
Punjab College for Women.

21st Century Urdu Poetry and Dramatic Elements (Selected Studies)

Literary movements and trends do not come and go with the flip of the calendar. People tend to gauge literary ideas and trends according to our own sence of time when they have their own natural courses which they must run through. There are three main kinds of poetry: narrative, dramatic and lyrical. Dramatic poetry is a kind of poetry which tells a story, Characters found in the poem like drama and their dialogues make poem impressive. This type of poetry aims at involving the reader in an experience or situation, and creates tension, immediacy, expectation, conflict. In dramatic poetry, poet expresses the deep emotions. This is a popular genre for opera. 12st century,s Urdu poet uses dramatic style like classical Urdu poets. The dramatic elements adorned and embellished 21st, s poetry.

Keywords: *Literary, Movement, Teends, Flip, Ideas, Natural, Characters.*

معاصر اردو نظم جن فکری و اسلوبی تجربات سے تشکیل پائی ہے اگرچہ وہ زمانی اعتبار سے بہت طویل نہیں لیکن تنوّع ضرور رکھتا ہے۔ اکیسویں صدی میں منظرِ عام پر آنے والی نظم حسی اور ادراکی ہر دو سطح پر ایک نئے قالب میں ڈھل کر اپنے وجود کا احساس دلاتی ہے۔ اکیسویں صدی کی اردو نظم کی تعمیر میں بہت سے عوامل کے ساتھ ان تخریبی عوامل کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا جو دورِ حاضر میں بڑی طاقتوں کے توسیع پسندانہ عزائم کا زائیدہ ہیں۔ دورِ حاضر

ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN(Online) : 2709-9644 | ISSN-L : 2709-9636

میں میڈیا اور ذرائع ابلاغ کے جدید تر مواصلاتی نظام نے انسان کی نجی و داخلی زندگی کو بہت نقصان پہنچایا ہے اور انسان کا انسان سے تعلق میڈیمز کا موہونِ منت ہو کر رہ گیا ہے۔ شاعر معاشرے کا حساس فرد ہوتا ہے لہذا شعرا نے اکیسویں صدی کے تمام مسائل کو شدت سے محسوس کیا اور اپنی نظموں میں ان مسائل کو بیان کیا۔ اس سلسلے میں جہاں شعرا نے نظم کی ہیئت اور اسالیب میں نئے تجربے کیے وہاں روایت کی ڈور بھی تھامے رکھی اور روایت کو برقرار رکھتے ہوئے معاصر شعرا نے فکر و خیال کی ترسیل کے لیے ڈرامائی عناصر کی مدد سے نظم کے حسن کو دوچند کیا۔

رقص، شاعری اور موسیقی مدتوں ڈرامے کے دامن میں پناہ گزیں رہی۔ ہر سہ اصناف اور ڈرامے کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ زمانہ قدیم سے ہی قومی روایتوں پر مبنی واقعات اور قومی ہیروز کے کارنامے شاعری کا موضوع رہے ہیں۔ اور انہیں اسٹیج کر کے دکھایا جاتا رہا۔ اکثر زبانوں کے اوّلین شعری نمونے مذہب اور قومی کارناموں ،جنگوں کے احوال کی صورت میں ملتے ہیں۔ فارسی میں مثنوی کی اِبتداء اور اس کا اِرتقاء اِسی فطری اِقتضاء کے بموجب ہوا۔ فارسی کے اوّلین شعری نمونے بھی ایرانی قوم کی روایات اور سُورماؤں کی داستانوں پر مشتمل ہیں۔ دنیا کی ہر زبان میں ابتدائی نقوش نظم میں اور فنی ساخت کے لحاظ سے منظوم داستانوں میں ملتے ہیں۔ ہر زبان میں شاعری زمانی لحاظ سے نثر سے متقدم رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ داستان اور کہانیاں بھی نثر کی بجائے نظم ہی میں لکھی گئیں۔ بعد ازاں نثر کے افسانوی ادب نے اپنی الگ شناخت بنالی۔ اردو نظم و نثر کے میدان الگ الگ ہو گئے دونوں اصناف میں مشترک قدر موضوع ہے۔ موضوع کے ابلاغ و ترسیل کے لیے ادیب یا شاعر کون کون سی تکنیکیں استعمال کرتا ہے؟ یہ وہ بنیادی نقطہ ہے جو دونوں اصناف کو ایک دوسرے کے قریب لاتا ہے۔ تخیل دوسرا اہم بنیادی عنصر ہے جو نا صرف نظم اور ڈراما بلکہ تمام اصناف ادب کو ایک دوسرے کے قریب لاتا ہے۔ ڈراما کی ضرورت سٹیج ہے جس پر اداکار ڈرامے کے واقعات کو مکالمات کی صورت میں پیش کرتے ہیں۔ جب کہ نظم میں شاعر محاکات کے ذریعے مناظر بیان کرتا ہے اور اس کے لیے وہ صفات کا سہارا لے کر آواز میں اتار چڑھاؤ پیدا کرتا ہے۔ یہی اتار چڑھاؤ (آہنگ) نظم کو ڈرامے کے قریب لے آتا ہے۔ ڈرامے کے اندر مضبوط پلاٹ کی موجودگی ضروری ہے جبکہ نظم میں پلاٹ موجود تو ہوتا ہے لیکن ڈرامے کی طرح مربوط نہیں ہوتا اور ڈرامے کے پلاٹ کی طرح معین اور مکمل نہیں ہوتا۔ ڈراما اگرچہ محدود وقت میں پیش کرنا ہوتا ہے مگر اس میں زمانی وسعت نظم کے مقابلے میں بہت زیادہ ہے۔ نظم کے اندر موضوعاتی ارتکاز یا اختصار موجود ہوتا ہے۔ یونان، مصر و بابل کا ادب منظوم داستانوں کی صورت میں ہے یعنی نظم اور ڈراما کے عناصر ساتھ ساتھ تھے جب شاعری اور ڈرامے نے الگ الگ اصناف کا روپ دھارا تو بھی نظم میں ڈرامائی

ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN(Online) : 2709-9644 | ISSN-L : 2709-9636

عناصر کو خارج نہیں کیا گیا۔ موضوع، کہانی، پلاٹ، کردار وغیرہ نظم کا اہم حصہ رہے ہیں۔ اردو نظم نے ارتقاء کی جتنی منازل طے کیں، جتنے ادوار دیکھے اور زمانے کی کروٹوں کے ساتھ جتنے رُوپ بدلے (مثنوی، مرثیہ، قصیدہ) ہر منزل ، ہر دور اور ہر رُوپ میں ڈرامے کا دامن تھامے رکھا۔ یعنی کہا جاسکتا ہے کہ نظم اور ڈرامے یا شاعری اور ڈرامے کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ اکیسویں صدی کے اردو نظم نگار بھی ڈرامائی عناصر سے نظم کے حسن میں اضافہ کرتے دکھائی دیتے ہیں۔

نصیر احمد ناصر نے زندگی کے کٹیلے نقوش کے ساتھ اسلوب کی تشکیل کی ہے۔ دورِ حاضر میں وہ انسانی روابط میں محبت کے متلاشی ہیں۔ زندگی کے مسائل اور لوازمات ان کی نظموں کے موضوع بنتے ہیں۔ وہ زندگی کے مناظر کی تصویر کشی کرتے ہیں۔ کردار، مکالمے، خود کلامی اور طرزِ تخاطب کی تکنیک ان کی نظموں کا حسن بڑھاتی ہے۔ نظم "فلیکا" میں نصیر احمد ناصر فلیکا سے مخاطب ہیں۔ وہ اسے بتاتے ہیں کہ میں تمھیں بہت یاد کرتا ہوں۔ آنکھوں میں آنسو ہیں اور مختلف واہمے مجھے گھیرے ہوئے ہیں:

فلیکا! تمھیں کچھ کہوں گا / تو تم بھاگ جاؤ گی
شاداب کھیتوں، پہاڑوں کے اونچے کناروں / عمودی ڈھلانوں
گھنے جنگلوں، پر خطر راستوں میں بھٹکتی پھرو گی / کوئی باگھ آئے گا
تم کو ڈرائے گا زخمی کرے گا / دھواں دھار سی بارشوں میں
تمھارے لہو کی الم ناک دھاریں بہیں گی
فلیکا! فلیکا!
بہت تھک گیا ہوں / کہیں سو نہ جاؤں / کہیں کھو نہ جاؤں
فلیکا! مرے غم کی منزل نہ جانے کہاں ہے / بڑی خوب صورت ہے دنیا
مگر بے اماں ہے۔۔۔۔۔!(۱)

نظم "ایک عام سی ڈیٹ، کچھ کتبوں پر نام نہیں ہوتے، چابی" میں شاعر اپنی محبوبہ سے مکالمہ کرتا دکھائی دیتا ہے۔ "میں اندھیرے میں اگی مشروم ہوں" میں شاعر کی خود کلامی ہے۔ نظم "غبارا اور بچہ" میں کردار اور منظر نگاری کے ذریعے شاعر نے بظاہر بہت معمولی سا واقعہ پیش کیا ہے لیکن فکری سطح پر نظم کی آخری سطور گہری معنویت

ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN(Online) : 2709-9644 | ISSN-L : 2709-9636

کی حامل ہے. نظم "گیٹ ۲۴" میں منظر نگاری اور کردار نگاری کا ڈرامائی عنصر نظم کی خوب صورتی کو دو چند کرتا ہے۔ نظم کا آغاز شاعر منظر سے کرتا ہے۔ اس کا دوست اسے رخصت کرنے آتا ہے۔

علی محمد فرشی نے اپنے عہد کو نظموں کا موضوع بنایا ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام میں انسان کی تلاش ان کی اکثر نظموں کا موضوع ہے۔ ان کی طویل نظم "علینہ" کتابی صورت میں شائع ہو چکی ہے۔ اس نظم میں ڈرامے کے تمام عناصر موجود ہیں۔ علی محمد فرشی نظم کو مناظر میں تقسیم کرتے ہیں۔ نظم میں شاعر واحد متکلم علینہ سے مخاطب ہے:

علینہ! سن رہی ہے تو؟ / پرانی ہڈیوں میں دوڑتی
دیمک کی بے چینی
لہو میں ہانپتی، رکتی، تھکی، ہاری / حرارت کی بکھرتی، ٹوٹتی سانسیں
لبوں پر تھرتھراتی / ایک معمولی تمنا کی دعائیں / اور آنکھوں سے اترتی
ریت کی بارش میں گرتی التجائیں / گم شدہ منظر کی آئیں
سن رہی ہے تو؟[۲]

شاعر علینہ کو یاد دلاتا ہے کہ تم نے مجھے بتایا تھا "زمانہ ایک دریا ہے" اور اس دریا پر آج کا پل ہے پھر اسی پل پر کھڑے ہو کے تم نے مجھے آواز دی تھی۔ نظم کے اگلے منظر میں شاعر اس بات کا اقرار کرتا ہے "علینہ مداوا نہیں تو مرے غم کا" لیکن پھر بھی میں تیری انگلیاں اپنی آنکھوں پر رکھے منتظر ہوں کسی بشارت بھری آواز کا۔ وہ علینہ کو بتاتا ہے کہ میں بہت تھک گیا ہوں۔ علی محمد فرشی کی نظموں میں کردار، مکالمہ، خود کلامی کا ڈرامائی حربہ کامیابی سے استعمال ہوا ہے۔ ان کی نظمیں "بندریا، غاشیہ، گے۔بی، سیلاب، ہم زاد، ریت، دہانہ" وغیرہ میں بھی ڈرامائی عناصر موجود ہیں۔

عصرِ جدید میں رفیق سندیلوی کے ہاں قدیم اساطیر، قصص و روایات، اور مذہبی حکایات کو زمانہ حال کے تناظر میں ڈھالتے ہوئے اس عصری شعور کی صورت گری کی گئی ہے جو مابعد جدید عہد کی حسیّت کو ایک علاحدہ سیاق میں پیش کرتا ہے۔ بقول دانیال طریر:

ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN(Online) : 2709-9644 | ISSN-L : 2709-9636

"رفیق سندیلوی کی بیش تر نظمیں لوک کہانی اور اساطیری فضا میں وقت ناوقت، خواب و حقیقیت، وجود و عدم، مکاں لا مکاں، من و تو، جبر و اختیار، نیز وحدت و کثرت کے معنی تلاش کرتے ہوئے نت نئی تمثالیں گھڑتی اور پیش کرتی چلی جاتی ہیں۔"(۳)

رفیق سندیلوی کی نظموں میں ڈرامائی عناصر شان و شوکت سے جلوہ افروز ہوتے ہیں۔ کردار اور مکالمے کا ڈرامائی حربہ ان کی نظموں میں نمایاں ہے۔ ان کی نظموں میں اکثر واحد متکلم کا مکالمہ بھی سنائی دیتا ہے۔ ۴ رفیق سندیلوی کی نظم "سواری اونٹ کی ہے" میں نظم کا واحد متکلم سالوں بعد اس گلی میں پلٹ کر آتا ہے جہاں وہ ایک عورت کو اپنے وعدے کی ڈور سے باندھ کر گیا تھا۔ رفیق سندیلوی کی نظم "مگر مچھ نے مجھے نگلا ہوا" میں شاعر نے ڈرامائی طرزِ تخاطب سے کام لیا ہے۔ وہ عصری ماحول کی آلودگی پر فریاد کناں ہے۔ نظم میں وہ اپنی ماں سے مخاطب ہے۔ ان کی نظم "تندور والا، خواب مزدور ہے، عجب پانی ہے، قدیمی کھیل میں اور غار میں بیٹھا شخص" جیسی نظموں میں ڈرامائی عناصر کی کارفرمائی دکھائی دیتی ہے۔ رفیق سندیلوی کی اکثر نظموں کا واحد متکلم اپنے وجود کے منطقے میں چھپے کسی دوسرے فرد کے مقابل ہوتا ہے۔ نظم "کہیں تم ابد تو نہیں" میں ایسی ہی صورتِ حال ہے۔ نظم کا واحد متکلم اپنی ذات کے منطقے میں چھپے دوسرے کردار سے ہم کلام ہے:

کہو کون ہو تم؟ / ازل سے کھڑے ہو
نگاہوں میں حیرت کے خیمے لگائے
افق کے گھنے پانیوں کی طرف / اپنا چہرہ اٹھائے
کہو کون ہو تم، بتاؤ بتاؤ
کہیں تم طلسمِ سماعت سے ناآشنا تو نہیں
کہیں تم وہ در تو نہیں ہو
جو صدیوں کی دستک سے کھلتا نہیں ہے (۵)

ارشد معراج علامات و استعارات کی کی مدد سے عصری حاضر کے مسائل کو خوب صورتی سے بیان کرتے ہیں۔ نظم "راستوں کی اور" میں ارشد معراج یہودہ سے مکالمہ کرتے دکھائی دیتے ہیں:

ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN(Online) : 2709-9644 | ISSN-L : 2709-9636

یہودہ سن!
کپل وستو رگ وپے میں اترتا ہے / تو پلکوں پر جمی خوش فہمیوں کی گرد ہٹتی ہے
زمانہ وردیاں تبدیل کرتا ہے / یہودہ!
رات سر پر ہے جدائی کی(۶)

"کہانی تیسری سمت میں الجھتی جاتی ہے" میں ڈرامے کی تکنیک داخلی خود کلامی کو کامیابی سے نظم کا حصّہ بنایا گیا ہے۔ شاعر گفتگو / مکالمہ کرتا دکھائی دیتا ہے۔:

مرے موزے بہت گندے ہیں / ان کو واش کر دینا
میں گھر کو واپسی پر سبزیاں اور دال لے آؤں۔۔۔۔۔۔؟(۷)

نظم میں روز مرّہ کی زندگی کی یکسانیت کو موضوع بنایا گیا ہے۔ نظم پینٹ کی پھٹی جیب میں ہاتھ "میں بھی ڈرامے کے عناصر خود کلامی، کردار اور مکالمے کا نظر آتا ہے۔ علامت، استعارے اور تمثیل کے فن سے ارشد معراج بخوبی واقف ہیں۔

وحید احمد کی نظم "مرمت کون کرتا ہے" ڈرامائی نظم ہے۔ نظم کی ابتدا کراچی کے ساحل کے منظر سے ہوتی ہے۔ یہاں سقراط کا کردار نظر آتا ہے۔ نظم کا دوسرا کردار ایک سوفسطائی وردی دار سقراط سے اس کا تعارف مانگتا ہے تو سقراط اپنا نام بتاتا ہے۔ وردی دار اعتراض کرتا ہے کہ یہ آدھا نام ہے پورا نام لکھواؤ "سقراط علی، سقراط احمد، چودھری سقراط چیمہ" یہ سرکاری ضرورت ہے۔ نظم کا تیسرا کردار پردے پر نمودار ہوتا ہے یہ ایک سپاہی ہے جو سقراط سے سچ بولنے کو کہتا ہے اور دھمکی دیتا ہے کہ اگر سچ نہ بتایا تو تیری کھال کا جوتا بنواؤں گا۔ سقراط جواب دیتا ہے جوتے سے یاد آیا" مرمت کون کرتا ہے" تھوڑی گفتگو کے بعد سپاہی سقراط کے اسلوبِ گفتگو سے مرعوب ہو جاتا ہے۔۔ یہاں ایک اور کردار نظم میں متعارف ہوتا ہے۔ یہ کردار فلسفے کا پروفیسر ہے۔ نظم میں مکالمے کی ڈرامائی فضا دونوں کی گفتگو سے ترتیب پاتی ہے۔ نظم "مویشی" اور "افسرِ شاہانہ" میں بھی وحید احمد ڈرامائی عناصر سے کام لیتے نظر آتے ہیں:

بڑے صاحب نے اک جھٹکے سے / فائل کا بدن کھولا
اور اپنی ایک انگلی / جس کی انگوٹھی پہ کالے سانپ کا منگا جڑا تھا

ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN(Online) : 2709-9644 | ISSN-L : 2709-9636

میرے نیلے دستخط کے پھن کے اوپر گاڑ دی
پھر اپنے منہ میں تیل بھر کے / ہاتھ میں مشعل اٹھائی
اور اک بھرپور شعلہ بار جھونکے سے / مرا چہرہ مسل دیا(۸)

انوار فطرت کی نظمیں انسانی زوال کا نوحہ ہیں۔ نظم "ڈیپ فریزر میں رکھا شہر" کا مرکزی کردار چالیس سالہ صحافی ہے۔ وہ ایک عرصے بعد اپنی محبوبہ سے ملتا ہے اور اپنا احوال سناتا ہے۔ "شہر نامرد سے خطاب، کبھی سورج سڑک پر گر پڑے تو اور باؤلا بیل" میں ڈرامائی عناصر خصوصاً کردار نگاری کا عنصر پایا جاتا ہے۔

ضیا الحسن کی نظموں میں خود کلامی اور کردار نگاری کی تکنیک ان کی دس منظومات بعنوان "عبدالکریم نامہ" میں دکھائی دیتی ہے۔ نظموں کا مرکزی کردار "عبدالکریم" معاشرے میں رزق اگاتے اور بھوک نبھاتے کسانوں کی علامت ہے۔ نظم کے کرداروں "سبد الکریم اور کنیز فاطمہ" کو علامت بنا کر شاعر نے معاشرے کے معتوب کرداروں کو زبان دینے کی کوشش کی ہے۔

روش ندیم کے ہاں تعلیم یافتہ شہری طبقے کے بیدار مغز کردار دکھائی دیتے ہیں۔ ان کی نظموں میں مجرد عناصر کی تجسیم کی تکنیک بھی نظر آتی ہے۔ غائر عالم کی نظم "راکھ کا الاؤ" طویل نظم ہے جس میں ڈرامے کے تمام عناصر موجود ہیں۔ خاور جیلانی کی نظم "جامعہ مسجد دہلی" میں کردار، مکالمے کی ڈرامائی فضا پائی جاتی ہے۔

اختر رضا سلیمی کی نظمیں معاصر عہد کی ترجمان ہیں۔ کردار نگاری، اور خود کلامی کا ڈرامائی حربہ ان کی اکثر نظموں میں کارفرما ہے۔ نظم "تجسیم" کا کردار ناوقت کے سمندر کے اسرار کو وقت کے منطقوں کے ذریعے معرض تفہیم میں لانے کی کوجستجو کرتا ہے۔(۹) نظم کے آغاز میں شاعر بتاتا ہے کہ ایک دن عصر کے وقت میں سمندر کے کنارے کھڑا اپنے موجود کو رفتہ کے خدوخال سے ملا کر کوئی شکل ترتیب دینے میں مصروف تھا۔ سمندر بھی کوئی راز اگل دینے کو بے تاب تھا:

اچانک سمندر نے انگڑائی لی
اور پھر اس کے سینے سے اک لہر ابھر کر
مری سمت دوڑی / مجھ تک آتی ہوئی لہر کو دیکھ کر
کوئی شے میری "میں" سے کٹی / لہر کچھ سوچ کر مسکرائی

ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN(Online) : 2709-9644 | ISSN-L : 2709-9636

مرے پاؤں چھو کر مجھے ایک گھڑی تھمائی
اور واپس پلٹ کر سمندر کے سینے میں گم ہو گئی
میں نے جلدی سے گھڑی ٹٹولی / کوئی چیز اندر سے بولی
خدارا تجسس پہ قابو رکھو(۱۰)

نظم "ایک کہانی" میں شاعر ایک داستان گو کا کردار ادا کرتا ہے۔ وہ ہمیں ایک کہانی سنا رہا ہے۔ نظم کے آغاز میں شاعر منظر بیان کرتا ہے۔ ایک وادی ہے جو پہاڑوں میں گھری ہوئی ہے۔ اس وادی میں پتھر سے بنی ایک چار دیواری ہے اور اس چار دیواری کے اندر کئی کمرے ہیں۔ یہ کمرے ہزاروں سال سے ویران پڑے ہیں۔ انہی کمروں میں ایک کمرے میں تین آدمی موجود ہیں۔ کمرے کے باہر ایک مجسمہ بھی موجود تھا۔ "کیا بشارت کے زمانے ڈھل چکے ہیں" میں اختر رضا سلیمی اساطیر سے کام لیتے ہیں۔ "البر کامیو" میں کردار نگاری کا ڈرامائی حربہ استعمال کیا گیا ہے۔ نظم "فیس بک" میں بھی شاعر اپنے ساتھ بیتا واقعہ بتاتے ہیں۔

زاہد امروز اکیسویں صدی کی نظم کا اہم نام ہے۔ ان کی نظموں میں بیانیہ کی تکنیک استعمال کی گئی ہے جو نظم کو ڈرامے کے قریب کر دیتی ہے۔ زاہد امروز کی نظموں میں وجودی کرب کا اظہار ملتا ہے۔ ان کی نظمیں خود کلامی بلکہ داخلی خود کلامی کی تکنیک میں لکھی گئی ہیں۔(۱۱) یہ نظمیں ذاتی واردات کی کہانی بیان کرتی ہیں۔ نظم "اروشی" میں شاعر اروشی سے مخاطب ہے۔ "ردِ عمل کا ردِ عمل" میں شاعر ڈرامائی تکنیک قصّہ اور کردار نگاری سے کام لیتا ہے:

لوگوں نے پہاڑ کے دامن میں
مجھے ایک لڑکی کے ساتھ دیکھ لیا
فطرت کے تحفظ کے لیے
انہوں نے ندامت کے خنجر سے
اس کے پستان کاٹ کر / اس کی کوکھ میں بھر دیے
اور مجھے گدھے پر بٹھا کر / شہر کی جانب روانہ کر دیا
کل میں نے دو پرندوں کو / آپس میں چونچ رگڑتے دیکھا
فطرت کے تحفظ کے لیے / ندامت کے خنجر سے

میں نے تمام شہر کی گردنیں کاٹ دیں (۱۲)

"میں تمھارے بدن میں گھر نہیں بناؤں گا" میں شاعر دوسرے کردار سے مخاطب ہے۔ نظم "وقت کے لیے ایک خط، اپنی تلاش میں نکلنے کا انجام، ایک بدقسمت پودے کی کہانی، زخمی خوابوں کی تیسری دنیا، ادھوری موت کا کرب، میں ڈیپ فریزر میں پڑا رہ جاتا ہوں، آوازوں کا عجائب گھر" نظمیں ڈرامائی تکنیک کی ذیل میں آتی ہیں۔

جاوید انور کی اکثر نظموں میں ڈرامائی عناصر خصوصاً کردار نگاری اور مکالمے کا دکھائی دیتا ہے۔ جاوید انور نے اپنی نظموں میں مابعد جدید عہد میں سانس لیتے کرداروں کو ایک نئے حسی تناظر میں متعارف کرایا ہے۔ ان کی نظم "روبوٹوں کی اس دنیا میں" میں کردار اور امکالمے کی مدد سے جدید طرزِ حیات پر گہرا طنز کیا گیا ہے:

بچے روتے ہیں:
ممی، ممی!
ممی ممی۔۔۔۔ سارا دن ممی ممی
مجھ کو اور ضروری کام بھی ہیں اس دنیا میں
(بیوٹی پارلر، فٹنس کلب اور وغیرہ وغیرہ)
شوفر، یہ لو ایک ہزار کا نوٹ ہے ان کو میکڈانلڈ میں لے جاؤ
برگر ور گر لے کر دینا / میں آج بھی دیر سے آؤں گی (۱۳)

جاوید انور کی نظم "بھونک، ایک نو زائیدہ سے خطاب، ایک مصلوب آواز اور بولتا کیوں نہیں اور ریچھ کیوں ناچتا ہے" میں عصری مسائل کو ڈرامائی تکنیک کے ذریعے خوب صورتی سے پیش کیا گیا ہے۔ فضا اعظمٰی عصری حاضر کے دانش ور اور شاعر ہیں۔ عصرِ حاضر میں طویل نظم نگاری کے حوالے سے ان کا نام سرِ فہرست ہے۔ ان کی شاعری کا کینوس بہت وسیع ہے۔ مذہب و اخلاق سے کے کر ریاست و سیاست تک اور سفر و ہجرت سے خلوت و جلوت تک شاید کوئی منظر ایسا ہو کہ جس نے فضا اعظمی کی شاعری میں اپنی جگہ نہ بنائی ہو۔ "کرسی نامہ پاکستان" ان کی طویل نظم ہے جس میں شاعر نے تخلیقِ پاکستان سے لے کر دورِ حاضر تک کی سماجی، معاشرتی اور سیاسی تاریخ کا استعاراتی زبان میں تجزیہ پیش کیا ہے۔ نظم میں شاعر نے نصف صدی کا قصہّ بیان کیا ہے۔ نظم "داستانِ بے ضمیری" طنزیہ نظم ہے۔ داستان کا آغاز شاعر نے قابیل سے کیا ہے اور اس کا اختتام دورِ حاضر میں ہوتا ہے۔ فضا

اعظمی کی طویل نظمیں محض شعری بیانیہ ہی نہیں بلکہ ان میں حالات و واقعات کا تجزیہ بھی کیا گیا ہے۔ "مرثیہ مرگِ ضمیر، عذابِ ہمسائیگی اور صدا آتی ہے تہذیبوں کے مدفن سے" جیسی نظموں میں شاعر کی نظر محض ان مسائل پر ہی نہیں جو ایشیا اور پوری دنیا کو در پیش ہیں بلکہ تاریخِ عالم پر بھی شاعر کی گہری نظر ہے۔ "زوالِ آدم" فضا اعظمٰی کی طویل نظم ہے۔ نظم کو مختلف ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔ "شاعر، محبوب اور فلسفی" ان کی طویل مکالماتی نظم ہے۔ نظم میں تین روایتی کردار شاعر، محبوب اور فلسفی ہے ہیں۔ نظم کے یہ تین کردار عقل و عشق کی دنیا کے زاویے ہیں۔ فضا اعظمی کی طویل نظموں میں ڈرامے کے عناصر کردار، مکالمہ، منظر نگاری اور استفہامیہ لہجہ نظر آتا ہے۔

دانیال طریر منفرد اسلوب کے جدید شاعر ہیں۔ ان کی اکثر نظموں میں ڈرامائی عناصر کی جھلک نظر آتی ہے۔ نظم "الرجی" میں مکالمے کا انداز ملتا ہے:

وہ کہتا ہے
اس کی جانب کچھ کتے بھیجو
سونگھنے والے
بو آتی ہے / آدم زاد کی بو آتی ہے
آدم زاد کی بو سے میرا دم گھٹتا ہے
مجھ کو اپنے وحشی پن سے ڈر لگتا ہے
لومڑیوں سے کہہ دو میرے پاس آجائیں
چیتے کی خوراک گھٹا دو
کہاں گئے ہیں گدھ بلواؤ(۱۴)

نظم "فرشتوں کا گناہ" میں شاعر فرشتوں سے مخاطب ہے۔ ان کی اکثر نظموں میں واحد متکلم کا مکالمہ خود کلامی اور تخاطب کا انداز ملتا ہے۔ اکیسویں صدی کی نظم کے شعراء میں ایک نام علی اکبر ناطق کا ہے۔ ان کی نظم "عصا بیچنے والو، مضافِ دریا، پرندو میرے ساتھ آؤ" میں ڈرامائی تخاطب کا انداز ہے۔ نظم "سفیر لیلیٰ" چار حصوں پر مشتمل ہے۔ شاعر نے ڈرامائی عناصر کی مدد سے عصرِ حاضر کے مسائل / المیے کو پیش کیا ہے۔ شاعر نظم کے آغاز میں سفیر لیلیٰ سے مخاطب ہے اور اسے داستان سناتا ہے:

ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN(Online) : 2709-9644 | ISSN-L : 2709-9636

سفیرِ لیلیٰ یہی کھنڈر ہے جہاں سے آغازِ داستاں ہے
ذرو سا بیٹھو تو میں سناؤں
فصیلِ قریہ کے سرخ پتھر اور ان پہ اژدر نشان برجیں گواہ
قریہ کی عظمتوں کی
چہار جانب نخیلِ طوبیٰ اور اس میں بہتے فراواں چشمے (۱۵)

شاعر کا قریہ اب ویران ہے وہ "سفیرِ لیلیٰ۔۲" میں اس المیے کو اپنے شہر کی ویرانی کو بیان کرتا ہے۔ منظر نگاری و کرادر نگاوی اور مکالمے کے ساتھ نظم میں المیہ کے عناصر بھی موجود ہیں:

نظر اٹھاؤ سفیرِ لیلیٰ، برے تماشوں کا شہر دیکھو
یہ میرا قریہ، یہ وحشتوں کا رہین قریہ
تمھیں دکھاؤں
یہ صحنِ مسجد تھا، یاں پہ آیتِ فروش بیٹھے دعائیں خلقت کو بیچتے تھے
یہاں عدالت تھی اور قاضی امان دیتے تھے رہزنوں کو
اور اس جگہ وہ خانقاہیں تھیں، آب و آتش کی منڈتاں تھیں
جہاں پہ امرد پرست بیٹھے صفائے دل کی نمازیں پڑھتے
خیالِ دنیا سے جاں ہٹاتے
سفیرِ لیلیٰ میں کیا بتاؤں کہ اب تو صدیاں گزر چکی ہیں (۱۶)

شاعر سفیرِ لیلیٰ کو بتاتا ہے کہ یہی وہ دن تھے جب ہماری بستی میں فریب اترنے لگے۔ شاعر اسے تباہ بوسی کے ایک جانب بلند ٹیلا دکھاتا ہے جہاں وہ یہ تباہی دیکھ کر ہونقوں کی طرح کبھی روتا تھا اور کبھی اونگھتا تھا۔ اس کے شہر میں ہانڈیوں میں فریب پکتے تھے۔ نظم "مدینے کا قصّہ" میں بھی ڈرامائی عناصر ہیں شاعر نظم کے کردار "علی بن محمد" سے مخاطب ہے۔ نظم "ظلمتیں" میں شاعر کردار نگاری کا ڈرامائی حربہ استعمال کرتا ہے.

قاسم یعقوب کی اکثر نظموں میں کردار نگاری کا ڈرامائی حربہ استعمال ہوا ہے۔ ان کی نظموں میں اس ڈرامائی عنصر کے متعلق ڈاکٹر ناصر عباس نیّر لکھتے ہیں:

ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN(Online) : 2709-9644 | ISSN-L : 2709-9636

"بچے کا کردار ان کی نظموں میں خاصا نمایاں ہے۔ کہیں تو بچہ باقاعدہ نظم کا مرکزی کردار ہے اور کہیں بچے سے ثقافتی طور پر وابستہ صفات کو نظم میں ابھارا گیا ہے اور کہیں دوسری صفات سے تقابل کے طور پر اور کہیں مجرد طور پر۔"(۱۷)

نظم "بڑھئی کی آری" میں شاعر نے کمرۂ امتحان کا منظر دکھایا ہے۔ امتحانی کمرے میں کچھ چڑیاں ہیں جو کمرے سے نکلنے کے لیے روزن کی تلاش میں ہیں۔ بچوں کو پرچے میں ایک جملہ دیا گیا ہے۔ جسے انہیں انگریزی میں ترجمہ کرنا ہے۔ "ایک بڑھئی کے پاس آری ہے"۔ کل اٹھارہ طالب علم کمری میں موجود ہیں لیکن کسی کو بھی معلوم نہیں کہ آری کو انگریزی میں کیا کہتے ہیں۔ "برگد سے واپسی" کا مرکزی کردار ایک بچی ہے۔ بچی سکول کی کتاب پڑھ رہی ہے اور اس کے سامنے آثارِ قدیمہ والا صفحہ کھلا ہوا ہے۔ وہ کتاب میں موجود بدھا کی تصویر پر نظریں جماتی ہے تو اسے تصویر کی آنکھوں کے حلقوں میں مردہ خواہشوں کی زردیاں محسوس ہوتی ہیں۔ بچی کو بدھا پر رحم آتا ہے۔ وہ ہاتھ میں پنسل لیے کچھ دیر سوچتی ہے اور پھر تصویر کی مونچھیں بنا دیتی ہے اور دل ہی دل میں مسکراتی ہے۔ شاعر بچی کے اس عمل کی توضیح یوں پیش کرتا ہے:

کہ جیسے اس نے دانش کی سبھی کمزوریاں
اپنی لکیروں سے چھپا دی ہیں
اسے معلوم ہی کب ہے / کہ اس کے ہاتھ کی جنبش نے اندر کی
سبھی آلائشیں چہرے پہ رکھ دی ہیں
وہ جن کو جسم سے آزاد کر کے ایک عرصے سے تیاگی تھا
اب آثارِ قدیمہ والے صفحے پر "دنایا" اور "ستا" کے کوئی مفہوم باقی ہی نہیں ہیں
ذرا مونچھیں بنانے سے سبھی دکھ مٹ گئے ہیں
"مارگ" کی کوئی ضرورت ہی نہیں
بدھا کپل وستو کا شہزادہ دوبارہ بن گیا ہے(۱۸)

اکیسویں صدی کے شعرا میں بہت سے ایسے نام موجود ہیں جنہوں جدید اردو نظم میں معاصر منظر نامے کو پیش کرتے ہوئے ڈرامائی عناصر سے کام لیا۔ راشد اور میرا جی نے جدید نظم کے جن خدوخال کی تشکیل کی ابتدا کی

ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN(Online) : 2709-9644 | ISSN-L : 2709-9636

معاصر شعرا نے اپنے اسلوب میں انہیں برتا۔ان شعرا کی یہ بھی انفرادیت ہے کہ ان کی شناخت کے تعین میں کسی تحریک کے ڈسکورس کو دخل نہیں ہے یہ الگ بات کہ بعض شعرا کو جدیدیت کی فکر سے جوڑ کو بھی دیکھا گیا۔[۱۹] معاصر شعرا اپنے زمانے کے حالات اور معاملات سے پوری طرح آگاہ ہیں۔وہ اپنے ارد گرد ہونے والے واقعات وحوادث کو نظموں کا موضوع بناتے ہیں۔ تکنیکی لحاظ سے ان نظموں میں ڈرامائی عناصر نے خود بخود اپنی جگہ بنالی ہے۔معاصر شعرا نے ڈرامے کی تکنیک کو اس خوبی سے برتا ہے کہ نظم کا اسلوب پختہ و پر اثر ہونے کے ساتھ دل کشی لاثانی ہو جاتا ہے۔

حوالہ جات

۱. نصیر احمد ناصر، ملبے سے ملی چیزیں، سانجھ پبلیکیشنز، لاہور، ۲۰۰۳، ص ۳۰۔۳۱
۲. علی محمد فرشی، علینہ، حرف اکادمی، راول پنڈی، ۲۰۰۱، ص ۱۰
۳. دانیال طریر، معاصر تھیوری اور تعینِ قدر، مہر در انسٹی ٹیوٹ آف ریسرچ اینڈ پبلی کیشنز، کوئٹہ، ۲۰۱۲ء، ص ۱۸۸
۴. احتشام علی، جدید اردو نظم میں عصری حسیّت، سانجھ پبلیکیشنز، اسلام آباد، ۲۰۱۵، ص ۲۲
۵. رفیق سندیلوی، غار میں بیٹھا ہوا شخص، کاغذی پیرہن، لاہور، ۲۰۰۷، ص ۲۵
۶. ارشد معراج، کتھا نیلے پانی کی، بہزاد پبلیشرز، راولپنڈی، ۲۰۰۶ء، ص ۱۶
۷. ارشد معراج، ایضًا ص ۴۳
۸. وحید احمد، ہم آگ چراتے ہیں، ہم خیال پبلیشرز، فیصل آباد، ۲۰۰۲، ص ۵۰
۹. اختر رضا سلیمی، خواب دان، سانجھ پبلیکیشنز، اسلام آباد، ۲۰۱۳ء، ص ۲۶
۱۰. اختر رضا سلیمی، خواب دان، ص ۵۲
۱۱. زاہد امروز، خودکشی کے موسم میں، پیش لفظ (آفتاب اقبال شمیم) آج کی کتابیں، کراچی، ۲۰۰۹، ص
۱۲. زاہد امروز، خودکشی کے موسم میں، آج کی کتابیں، کراچی، ۲۰۰۹ء، ص ۱۰۱
۱۳. جاوید انور، بھیڑیے سوئے نہیں، قوسین، لاہور، ۲۰۰۹ء، ص ۴۷
۱۴. دانیال طریر، معنی فانی، مہر در انسٹی ٹیوٹ آف ریسرچ اینڈ پبلی کیشنز، کوئٹہ، ۲۰۱۲ء، ص ۳۴

۱۵. علی اکبر ناطق، یاقوت کے ورق، آج کی کتابیں، کراچی، ۲۰۱۳ء، ص ۲۳
۱۶. علی اکبر ناطق، ایضًا ص ۲۶
۱۷. ناصر عباس نیر ڈاکٹر، قاسم یعقوب کی نظم اور قرأت کا نیا لسانی مظہر، مشمولہ، قاسم یعقوب، ریت پہ بہتا پانی، آج کی کتابیں، کراچی، ۲۰۱۰ء، ص ۱۰
۱۸. قاسم یعقوب، ریت پہ بہتا پانی، آج کی کتابیں، کراچی، ۲۰۱۰ء، ص ۳۵
۱۹. طارق ہاشمی، ڈاکٹر، اردو نظم اور معاصر انسان، پورب اکادمی، اسلام آباد، ۲۰۱۵ء، ص ۱۸۸